معیشت واقتصاد

حافظ مبشر حسین لاہوری

قسط نمبر۲

اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اور چند جدید مسائل

نصابِ زکوٰۃ کے حوالے سے شریعت دو پہلوؤں سے گفتگو کرتی ہے: ایک تو یہ کہ کون کون سا مال موجبِ زکوٰۃ ہے اور دوسرا یہ کہ اس مال کی کتنی مقدار پر کس قدر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ آئندہ سطور میں ان دونوں پہلوؤں پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے گی۔

موجبِ زکوٰۃ اموال کون سے؟

شریعت نے جن اَموال پر زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

(i) حیوانات *(ii)* سونا، چاندی (اور نقدی، کرنسی) *(iii)* زمینی پیداوار (ان کی زکوٰۃ کو فقہی اصطلاح میں 'عشر' سے موسوم کیا جاتا ہے) اور *(iv)* تجارتی اموال ان کی مزید تفصیل حسبِ ذیل ہے:

❶ حیوانات کی زکوٰۃ

حیوانات کی زکوٰۃ سے متعلقہ چند اہم شروط درج ذیل ہیں:

① **ایک سال کا دورانیہ:** حیوانات پر زکاۃ کے لئے ضروری ہے کہ ان پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو، اس شرط کی تفصیل گذشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔

② **حیوانات سائمہ (چرنے والے) ہوں:** حیوانات کے حوالے سے دوسری شرط یہ ہے کہ متعلقہ حیوانات پورا سال یا سال کا اکثر و بیشتر حصہ باہر جنگلوں میں چرتے ہوں یا دوسرے لفظوں میں انہیں چارہ ڈالنے کا کوئی خرچہ نہ آتا ہو (ایسے جانوروں کو احادیث میں 'سائمۃ' سے تعبیر کیا گیا ہے)۔ لیکن اگر پورے سال یا سال کے اکثر حصے کا چارہ قیمتاً حاصل کیا جاتا ہو تو پھر ان جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

www.KitaboSunnat.com

i) "في كل خمس من الابل السائمة شاة" (حاکم:۱/۳۹۶)

''ہر پانچ سائمہ (باہر جنگل میں چرنے والے) اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ ہے۔''

ii) "في كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون"

(ابوداؤد:۱۵۷۵، احمد:۴/۲/۵، نسائی:۲۴۴۹)

''ہر چالیس سائمہ (باہر چرنے والے) اونٹوں پر ایک بنت لبون (وہ اونٹنی جس کا تیسرا سال شروع ہو) زکوٰۃ پڑتی ہے۔''

iii) "في صدقة الغنم في سائمتها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة" (بخاری:۱۴۵۴، ابوداود:۱۵۶۷)

''چالیس سے ۱۲۰ تک سائمہ بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے۔''

واضح رہے کہ 'سائمۃ' کے الفاظ اونٹوں اور بکریوں کے بارے میں ہیں تاہم جمہور فقہا نے اس پر قیاس کرتے ہوئے گائیوں کے بارے میں بھی یہی شرط بیان کی ہے اور وہ احادیث جن میں سائمہ یا غیر سائمہ (معلوفہ) کا کوئی فرق مذکور نہیں، ایسی (مطلق) احادیث کو انہوں نے ان مقید احادیث پر محمول کیا ہے جن میں سائمہ کا ذکر ہے۔ البتہ امام مالک غیر سائمہ پر بھی زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں اور سائمہ کی شرط کو قیدِ اتفاقی قرار دیتے ہیں۔ (حاشیة الدسوقي على الشرح الكبير:ج۱ص۴۳۲، الفقه على المذاهب الأربعة ۱/۵۹۶) لیکن ان کا یہ مسلک أقرب الى السنة معلوم نہیں ہوتا۔

③ **حیوانات 'غیر عاملہ' ہوں:** غیر عاملہ کا معنی یہ ہے کہ وہ جانور افزائش نسل کے لئے ہوں، بار برداری، کھیتی باڑی اور ایسی ہی دیگر خدمات کیلئے نہ ہوں جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے:

"ليس على العوامل شيئ" (ابوداؤد:۱۵۷۲، دارقطنی ۲/۱۰۳، نصب الرایۃ ۲/۳۵۳)

''کام کرنے والے جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔''

اسی طرح حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ "حراثة (یعنی ہل چلانے والے) جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔'' (کتاب الاموال:ص۳۸۰ بحوالہ فقہ الزکوٰۃ:۱/۲۳۲)

www.KitaboSunnat.com

مالکیوں اور ایک قول کے مطابق شافعی فقہا کے علاوہ دیگر تمام فقہا کا مذکورہ بالا شرط پر اتفاق ہے۔(الموسوعة الفقهية الكويتية بذيل مادّة 'زكوٰة' نیز دیکھئے الفقه على المذاهب الأربعة ، ایضاً) اور راجح موقف بھی یہی ہے۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے فقہا نے ہر طرح کے آلاتِ پیداوار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔اس کی مزید تفصیل 'آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ' کے تحت آئے گی۔

④ **حیوانات نصاب کو پہنچ چکے ہوں:** جانوروں کی زکوٰۃ کے حوالے سے چوتھی اہم شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کردہ نصاب پر پورے اُتر چکے ہوں اور وہ نصاب درج ذیل ہے:

اونٹوں کی زکوٰۃ

اونٹوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱تا۴	کوئی زکوٰۃ نہیں
۵تا۹	ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی
۱۰تا۱۴	دو بکریاں
۱۵تا۱۹	تین بکریاں
۲۰تا۲۴	چار بکریاں
۲۵تا۳۵	بنتِ مخاض یعنی وہ اونٹنی جو ایک سال پورا کرکے دوسرے میں لگ چکی ہو۔اگر یہ نہ ہو تو پھر ایک مذکر ابن لبون اونٹ (جو دو سال پورے کر چکا ہو)
۳۶تا۴۵	ایک بنتِ لبون (دو سالہ اونٹنی)
۴۶تا۶۰	ایک حقہ (وہ اونٹنی جو تین سال پورے کرکے چوتھے میں داخل ہو چکی ہو)
۶۱تا۷۵	ایک جذعہ (وہ اونٹنی جو چار سال پورے کرکے پانچویں میں لگ چکی ہو)
۷۶تا۹۰	دو بنت لبون اونٹنیاں
۹۱تا۱۲۰	دو حقہ اونٹنیاں (دیکھئے: بخاری:۱۴۵۴)

واضح رہے کہ ۱۲۰ اونٹوں تک جو مقدارِ زکوٰۃ ہم نے ذکر کی ہے، اس پر فقہا کا اتفاق ہے

www.KitaboSunnat.com

البتہ اس سے آگے اختلاف ہے۔ تاہم ۱۲۰ کے بعد جو مسلک ہمیں راجح معلوم ہوتا ہے اور صحیح احادیث سے بھی جس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ۱۲۰ کے بعد جس قدر بھی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے، اس کی زکوٰۃ کا فارمولا یہ ہوگا کہ ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنتِ لبون اور ہر پچاس اونٹوں پر ایک حقہ دیا جائے گا یعنی اگر کسی کے پاس ۱۸۰/اونٹ ہوں تو اسے دو حقے اور دو بنتِ لبون بطور زکوٰۃ دینا ہوں گی۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: فتح الباری: ج ۳ رص ۳۱۷، ۳۱۸ اور فقہ الزکوٰۃ: ج ۱ رص ۲۳۵ تا ۲۴۵

گائیوں کی زکوٰۃ

گائیوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱ تا ۲۹	کوئی زکوٰۃ نہیں
۳۰ تا ۳۹	ایک تبیع (گائے کا وہ بچہ جو دوسرا سال شروع کر چکا ہو)
۴۰ تا ۵۹	ایک مُسنّہ (وہ گائے جو تیسرے سال میں لگ چکی ہو)

۶۰ اور اس سے آگے تعداد کے بارے میں زکوٰۃ کا فارمولا یہ ہے کہ ہر ۳۰ پر ایک تبیع اور ہر ۴۰ پر ایک مسنّہ دیا جائے گا مثلاً اگر ۶۰ گائیاں ہو تو دو تبیع اور ۷۰ گائیاں ہوں تو ایک تبیع اور ایک مسنّہ بطور زکوٰۃ دیا جائے گا۔ دیکھئے ابوداؤد، حاکم: ۳۹۸/۱، سنن بیہقی: ۸۹/۴ اور مجمع الزوائد: ۷۲/۳

بکریوں کی زکوٰۃ

بکریوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱ تا ۳۹	کوئی زکوٰۃ نہیں
۴۰ تا ۱۲۰	ایک بکری
۱۲۱ تا ۲۰۰	دو بکریاں
۲۰۱ تا ۳۰۰	تین بکریاں

اسی طرح ہر سو پر ایک بکری بڑھتی جائے گی۔ (دیکھئے فتح الباری: ۳۱۷/۳)

www.KitaboSunnat.com

دیگر 'سائمہ' جانوروں پر زکوٰۃ کا مسئلہ

واضح رہے کہ احادیث میں جن جانوروں کی زکوٰۃ کا تذکرہ موجود ہے وہ صرف تین قسم کے ہیں یعنی اونٹ، گائے اور بکری اس کے علاوہ دیگر جانوروں کے بارے میں شریعت خاموش ہے تاہم سواری کے گھوڑے کو خود نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ سے معاف قرار دیا ہے۔ چونکہ نزولِ وحی کے دور میں اہل عرب کے ہاں یہی تین قسم کے جانور پالے جاتے تھے، اس لئے بطورِ خاص ان کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر جانور مثلاً گدھے، خچر، پولٹری فارم کی مرغیوں اور مچھلی فارم کی مچھلیوں وغیرہ کے بارے میں کوئی صریح نص موجود نہیں۔ متقدمین میں سے ظواہر اور متاخرین میں سے امام شوکانیؒ اور نواب صدیق حسنؒ کے علاوہ جمہور فقہائے اُمت نے اوّل الذکر نوع سے تعلق رکھنے والے جانوروں پر قیاس کرتے ہوئے ثانی الذکر نوع کے حیوانات پر بھی دیگر شرائط کی موجودگی میں زکوٰۃ فرض قرار دی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اور عہدِ صحابہ ہی میں جو نیا مسئلہ سامنے آیا وہ گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ تھا۔ نزولِ وحی کے دور میں چونکہ گھوڑا اہل عرب کے ہاں ایک کمیاب جنس تھی اور اس کا استعمال بھی یا تو ذاتی سواری کے لئے ہوتا تھا یا پھر جنگ وحرب کے لئے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے گھوڑے کی زکوٰۃ معاف فرما دی تاکہ اگر وہ ذاتی استعمال کے لئے ہے تو پھر مالک (صاحبِ گھوڑا) کو مشقت نہ ہو اور اگر وہ جہاد کے لئے ہے تو اس کی مزید حوصلہ افزائی ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

"لیس علی المسلم صدقة فی عبده ولا فی فرسه" (بخاری:۱۴۶۴)

''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے''

لہٰذا دور حاضر میں بھی جن صحرائی اور پہاڑی علاقوں میں جہاد یا ذاتی سواری کے لئے گھوڑا رکھا جاتا ہے، ان کے مالکان پر اس کی زکوٰۃ لاگو نہیں ہوگی۔ اِلا یہ کہ وہ اسے تجارت کے لئے استعمال کرنے لگیں (جیسا کہ آئندہ سطور میں آرہا ہے)

جب ایران کی فتوحات شروع ہوئیں اور کثیر تعداد میں گھوڑے حاصل ہونے لگے تو رفتہ

www.KitaboSunnat.com

رفتہ لوگوں نے اسے تجارت کا ذریعہ بنالیا حتیٰ کہ بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ ایک ایک گھوڑا سو سو اونٹوں کے بدلے فروخت کیا جانے لگا چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو انہوں نے ان تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ مقرر فرما دی۔ جبکہ کسی صحابی نے اس پر اختلاف نہ کیا بلکہ آپ کے بعد حضرت عثمانؓ وغیرہ بھی تجارتی گھوڑوں پر زکوٰۃ وصول کرتے رہے۔ (فقہ الزکوٰۃ: ج۱ر ص۳۰۵)

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے حوالہ سے یہ بات یاد رہے کہ اگر گھوڑے آلاتِ تجارت کے طور پر استعمال ہوں مثلاً ٹانگوں وغیرہ میں جوتے جائیں یا اُجرت پر بار برداری کے لئے استعمال ہوں تو ان گھوڑوں کی اصل مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہوگی بلکہ ان کی آمدن پر زکوٰۃ ہوگی اور اگر گھوڑے بذاتِ خود خرید وفروخت کے لئے رکھے ہوں تو ان کی کل مالیت پر زکوٰۃ ہوگی۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل 'تجارتی اَموال پر زکوٰۃ' کے ضمن میں آئے گی۔ لیکن اگر یہ افزائش نسل کے لئے ہوں اور جہاد یا ذاتی سواری کے استعمال کی بھی نیت نہ ہو تو ایسی صورت میں بعض فقہا نے انہیں اونٹوں پر قیاس کرتے ہوئے اونٹوں ہی کی شرح زکوٰۃ ان میں واجب قرار دی ہے اور ایسی صورت میں ہمیں بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ (دیکھئے ردّ المختار: ج۲ر ص۲۵، ۲۶)

اسی طرح دیگر جانوروں مثلاً پولٹری فارم کی مرغیوں، مچھلی فارم کی مچھلیوں اور ڈیری فارم کی بھینسوں کو بھی گھوڑوں پر قیاس کیا جائے گا یعنی اگر یہ جانور تجارت کے لئے ہیں تو ان کی کل مالیت پر سال گزرنے کے بعد چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ دیا جائے گا۔ جبکہ بھینسیں اگر افزائش نسل کے لئے ہوں اور ان میں دیگر شروطِ زکوٰۃ بھی پائی جائیں تو انہیں گائیوں پر قیاس کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اسی طرح اگر ہرن افزائش نسل کے لئے ہوں تو انہیں بکریوں پر قیاس کیا جائے گا اور اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو پھر انہیں مالِ تجارت پر قیاس کیا جائے گا۔

❷ سونا، چاندی اور نقدی پر زکوٰۃ

عرصہ دراز سے سونا چاندی جیسی قیمتی دھاتیں مختلف مقاصد کے لئے استعمال ہوتی چلی آرہی ہیں مثلاً ان سے زیورات، آلات، برتن وغیرہ بھی بنائے جاتے رہے ہیں اور انہیں بطورِ نقدی (کرنسی) بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ عہدِ نبوی میں بھی ان کے یہ مختلف

www.KitaboSunnat.com

استعمالات موجود تھے۔ آپؐ نے سونے چاندی کے صرف دو مصرف جائز قرار دیتے ہوئے ان پر زکوٰۃ عائد فرمائی۔ ایک مصرف تو ان کا نقدی ہونا تھا اور دوسرا زیورات تھا۔ اگرچہ بعض شبہات کی بنا پر زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب اور عدمِ وجوب کے بارے میں فقہا نے اختلاف بھی کیا ہے، تاہم نقدی ہونے کی حیثیت سے ان پر وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں اتفاقِ رائے موجود ہے اور اب چونکہ سونے، چاندی کی جگہ پیپر کرنسی نے لے لی ہے، اس لئے سونے چاندی پر قیاس کرتے ہوئے ان پر بھی زکوٰۃ فرض قرار دی جائے گی۔ باقی رہا سونا چاندی کا کسی اور محل میں استعمال مثلاً برتن اور آرائشی سامان، دیگر آلاتِ ضرورت وغیرہ تو ان سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان ممنوعہ چیزوں کو اپنے پاس رکھتا یا ان کی تجارت وغیرہ کرتا ہے تو اس کے ایک حرام کام کے ارتکاب کے باوجود ان چیزوں کی زکوٰۃ اس پر فرض ہے۔ البتہ اس میں سے بھی چند چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ ایک تو وہ جو ضرورت اور حاجت کی قبیل سے ہیں مثلاً ایک صحابی کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوائی جس میں بدبو پیدا ہوگئی تو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق انہوں نے سونے کی ناک لگوالی۔ (ابوداؤد؛۴۲۳۲، ترمذی؛۱۷۷۰) اسی طرح بعض صحابہ سے سونے کے دانت لگوانا اور داڑھوں کی بھروائی (Filling) کروانا بھی منقول ہے۔ (المغنی:۴/۲۲۷)

اور دوسری استثنائی صورت آلاتِ حرب کی ہے کیونکہ احادیثِ نبویہؐ اور آثارِ صحابہؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ تلوار کا خول، قبضہ، دستہ وغیرہ میں سونے اور چاندی کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (المغنی: ایضاً)

زیورات پر زکوٰۃ

سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ کے حوالہ سے اہل علم میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فقہا کی ایک بڑی تعداد نے زیورات کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے دو طرح سے استشہاد کیا ہے ایک تو بعض روایات سے استشہاد کیا ہے اور دوسرا اسے ذاتی استعمال کی اشیا پر قیاس کیا ہے۔ جب کہ ان

www.KitaboSunnat.com

کے برعکس بعض فقہا جن میں امام ابوحنیفہ بھی شامل ہیں، زیورات پر زکوٰۃ کو فرض قرار دیتے ہیں اور بعض صحیح احادیث بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا مسئلہ میں راقم کی تحقیق یہ ہے کہ زیورات پر عدم زکوٰۃ کے حوالہ سے جن روایات سے استشہاد کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی بھی بسند صحیح ثابت نہیں جب کہ اس کے مقابلہ میں بعض ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں زیورات پر وجوب زکوٰۃ کی صاف تائید ہوتی ہے اور ان صحیح احادیث کی موجودگی میں زیورات کو ذاتی استعمال کی اشیا پر قیاس کر کے زکوٰۃ سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔☆ اس سلسلہ میں جو صحیح احادیث ملتی ہیں، بغرضِ اختصار ان میں سے ایک درج کی جاتی ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد اور اپنے دادا کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''ایک عورت اپنی بیٹی کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور اس کی بیٹی کے ہاتھوں میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں روز قیامت ان کنگنوں کے بدلے آگ کے کنگن پہنا دیں؟ تو اس نے وہ کنگن اتار کر آپ کی خدمت میں ڈال دیئے اور کہا کہ میں انہیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے پیش کرتی ہوں۔''

(احمد: ۲/۱۷۸، ۲۰۴، ابوداود: ۱۵۶۳، نسائی: ۲۴۷۹، بیہقی: ۴/۱۴۰)

واضح رہے کہ اس حدیث کی تائید کرنے والی کئی اور احادیث بھی موجود ہیں جنہیں شارحِ ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے تحفۃ الاحوذی میں نقل کرنے کے بعد اسی رائے

☆ سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ سے متعلقہ احادیث کی صحت میں کلام ہونے کی بنا پر اس کا مناسب حل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں زکوٰۃ کی ادائیگی مال کے حق کے طور پر اگر نہ کی جائے تو کم از کم اشخاص کے حق کے طور پر ضرور کر دی جائے کیونکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اشخاص کا حق کتاب وسنت سے ثابت ہے جس میں عام لوگ اکثر کوتاہی کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے غریب رشتہ دار اور متعلقہ خدام ومساکین بھی معاشرے میں بے اعتنائی کا شکار رہتے ہیں۔ اگر زیورات کی زکوٰۃ نکال کر ایسے متعلقین پر اسے خرچ کر دیا جائے تو شرعی احتیاط پر عمل بھی ہو جائے گا اور کسمپرسی کے شکار مستحقین بھی مستفید ہوسکیں گے اور اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم صدقہ کی صورت میں موجود ہے۔ اِن شاء اللہ (محدث)

www.KitaboSunnat.com

کو ترجیح دی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی ہے جب کہ سعودی عرب کے جید علما کا بھی یہی فتوی ہے کہ زیورات پر زکوٰۃ دی جائے گی بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائیں۔

(دیکھئے: فتاویٰ ابن باز؛ ج۱۴ص ۹۷، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ؛ ج۹ص ۲۶۵)

سونے چاندی کا نصاب: اگر پانچ اوقیہ (تقریباً دو سو درہم) چاندی یا ۲۰ مثقال (تقریباً ۲۰ دینار) سونا سال بھر موجود رہے ہوں تو ان پر چالیسواں حصہ (یعنی چاندی کے پانچ درہم اور سونے کا آدھا دینار) بطورِ زکوٰۃ دیا جائے گا۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

(i) حضرت جابرؓ سے روایت کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«لیس فیما دون خمس أواق من الورق صدقة» (احمد:۳/۲۹۶، مسلم:۹۸۰)

''پانچ اوقیہ (مساوی دو سو درہم) سے کم (ورق/چاندی) پر زکوٰۃ فرض نہیں۔''

(ii) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

''جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال کا عرصہ گزر جائے تو ان میں سے پانچ درہم بطورِ زکوٰۃ دو اور اسی طرح اگر تمہارے پاس بیس دینار سونا سال بھر رہا ہو تو اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہے، اگر ایسا (یعنی یہ دونوں شرائط یا ان میں سے کوئی ایک شرط پوری) نہ ہو تو پھر زکوٰۃ فرض نہیں۔'' (ابوداود:۱۵۷۳)

واضح رہے کہ اس حدیث کی سند میں اگرچہ ضعف ہے تاہم یہی مسئلہ اجماعِ امت سے بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے الاجماع لابن المنذر: ص۴۴، موسوعۃ الاجماع:۱/۴۸۳)

درہم و دینار کی مقداریں: جس طرح مختلف اَدوار میں درہم و دینار کے اوزان میں فرق پیدا ہوتا رہا ہے، اسی طرح ان سے حاصل مقداروں میں اہل علم کا اختلاف بھی رہا ہے۔ درہم جو چاندی کا سکہ ہوا کرتا تھا، اس کی مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی کے حساب سے اور دینار جو سونے کا سکہ تھا، اس کی مقدار ساڑھے سات تولہ سونا کے حساب سے معروف ہے، لیکن بعض اہل علم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے دونوں کا وزن اس سے کم نکالا ہے۔ جیسا کہ جماعۃ الدعوۃ کے نائب امیر مولانا عبدالسلام صاحب اپنی کتاب 'احکامِ زکوٰۃ وعشر' (ص۲۳، ۲۴) میں رقمطراز ہیں:

''لیکن تحقیق کے مطابق بیس دینار سونے اور دو سو درہم چاندی کا وزن مندرجہ بالا مقداروں

www.KitaboSunnat.com

(یعنی ساڑھے سات تولہ سونے اور ساڑھے باون تولہ چاندی .....ناقل) سے کم بنتا ہے۔ چنانچہ شیخ ابوبکر الجزائری نے 'الجمل فی زکوٰۃ العمل' (ص ۲۷، ۲۸) میں اور دکتور عبداللہ بن محمد بن احمد العطار نے 'الزکوٰۃ' میں بیس دینار کو ستر گرام سونے کے برابر اور دو سو درہم کو ۴۶۰ گرام چاندی کے برابر قرار دیا ہے۔ان حضرات نے ایک دینار کا وزن، ساڑھے تین گرام سونا اور ایک درہم کا وزن 2.3 گرام چاندی قرار دیا ہے۔مفتی عبدالرحمٰن الرحمانی نے بھی اپنے رسالہ 'المیزان فی الاوزان' میں اسی کو درست قرار دیا ہے۔یہ مقدار عام معروف مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولے سونے سے کافی کم ہے مگر تحقیق پر مبنی ہے اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سونا یا چاندی اس نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ ادا کی جائے۔''

معروف اوزان کے مقابلہ میں اس 'نئی تحقیق' پر ہمیں اختلاف ہے اس لیے کہ اس سلسلہ میں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک درہم شرعی 7/10 دینار کے برابر ہوتا تھا اور درہم و دینار کا وزن معلوم کرنے کے لیے متقدمین کے ہاں جو یا چاولوں کے دانے استعمال ہوتے تھے۔اس لیے چند حنفی اور ظاہری فقہا کے علاوہ باقی تمام اہل علم کا اس بات پر بھی اتفاق رہا ہے کہ ایک دینار (مثقال) کا وزن جو کے ۷۲ دانوں کے برابر ہے اور دینار کی مناسبت سے درہم کا وزن 50.4 جو کے دانوں کے برابر ہے۔(دیکھئے: مقدمہ ابن خلدون: ص ۲۳۶)

لیکن جب ۷۲ یا 50.4 جو کے دانوں کو جدید پیمانوں پر تولا جاتا ہے تو دانوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے وزن میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے حتی کہ اگر بعض نے ۷۲ دانے جو کو ساڑھے تین گرام کے برابر قرار دیا ہے تو بعض نے ۶۶ دانوں کو 4.25 گرام ثابت کر دکھایا۔گویا جب تک جو کے دانوں کا اختلاف رہے گا تب تک مذکورہ اوزان میں بھی اختلاف رہے گا۔اس کا سب سے مناسب اور معقول طریقہ یہی ہے کہ جس درہم اور دینار کے وزن کو ۷۲ اور 50.4 دانوں کے برابر قرار دیا گیا اور اُمت کا اس پر اجماع ہو گیا تھا، اس درہم اور دینار کو تلاش کر کے دانوں کے دیسی طریقہ سے ان کا وزن کرنے کی بجائے اب جدید پیمانوں پر ان کا وزن نکال لیا جائے اور فی الواقع بعض محققین نے ایسا کیا بھی ہے۔چنانچہ انہوں نے تحقیق کا حق ادا کرتے ہوئے لندن، برلن، پیرس وغیرہ کی لائبریوں اور عجائب گھروں

www.KitaboSunnat.com

سے وہ سکے ڈھونڈ نکالے اور جس دینار کے وزن ۷۲ جو کے دانے کے برابر ہونے پر اُمت کا اجماع تھا، اسے جب سائنٹفک پیمانوں پر تولا گیا تو وہ 4.25 گرام ثابت ہوا اور اس مناسبت سے درہم 2.975 گرام کے برابر نکلا۔ اس حساب سے سونے کا وزن تقریباً ۸۵ گرام اور چاندی کا ۵۹۵ گرام بنتا ہے اور انہی اوزان کو اگر 'تولوں' میں بدلا جائے تو یہ پاک وہند کے معروف وزن یعنی ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی ہی کے قریب نکلتے ہیں۔لہٰذا پاک وہند کے علما کی یہی معروف تحقیق صحیح ہے اور سائنٹفک اُصول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔البتہ اتنی بات یاد رہے کہ موجودہ دور میں سنیاروں کے معیاری اوزان کی مناسبت سے ساڑھے سات تولہ سونا تقریباً ۸۷ گرام اور ساڑھے باون تولہ چاندی تقریبا ۶۱۲ گرام بنتی ہے اور یہ کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔شائقین تحقیق اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے درج ذیل کتب کی طرف مراجعت فرما سکتے ہیں:

فقه الزکوٰة از یوسف قرضاوی: ج۱ص۳۵۱ تا۳۶۲، المیزان فی الاوزان از مفتی عبدالرحمٰن رحمانی، فتاویٰ اللجنة الدائمة: ج۹ص۲۵۲ تا ۲۵۷، مجموع فتاویٰ ابن باز: ج۱۴ص۸۲،۸۳، فتاوی علمائے اہلحدیث: ج۷ص۸۶تا۹۱، الزکوٰة واحکامها از سلمان الغاوجی، احکام ومسائل از حافظ عبد المنان نور پوری: ج۱ص ۲۸۰ تا ۲۸۴، الموسوعة الفقهية بذيل مادّة 'دينار' و'درهم'، الفقه على المذاهب الأربعة: ج۱ص ۶۰۱، الخراج والنظم المالية از ڈکٹور محمد ضیاء الریس (ص۳۵۲).....وغیرہ

زکوٰۃ کے لیے سونے چاندی کو اکٹھا کرنا

زکوٰۃ کے لیے سونے اور چاندی کو ملا کر زکوٰۃ کا نصاب بنانے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔جمہور فقہا (امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد وغیرہ) انہیں ملانے کے قائل ہیں جب کہ امام شافعی اور داود ظاہری وغیرہ انہیں یکجا کرنے کے قائل نہیں۔ابن رشد مالکی کے بقول اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ گائے، بکری کی طرح سونا، چاندی دو الگ الگ چیزیں (عین) ہیں یا پھر راس المال اور کرنسی ہونے کی حیثیت سے یہ ایک ہی ذات کا حکم رکھتے ہیں؟ جنہوں نے

www.KitaboSunnat.com

انہیں دو الگ ذاتیں قرار دیا وہ انہیں اکٹھا کرنے کے قائل نہیں اور جنہوں نے ایک ہی ذات کے حکم میں انہیں شمار کیا وہ انہیں کرنسی ہونے کی حیثیت سے اکٹھا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

بہرحال اس مسئلہ میں کوئی صریح دلیل نہیں ملتی کہ انہیں باہم ملا کر نصاب بنایا جائے اور عہد ِصحابہ میں بھی ان کے مستعمل ہونے کے باوجود انہیں ملا کر نصاب بنانے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا تو یہی ہے کہ انہیں آپس میں ضم کر کے نصاب نہ بنایا جائے۔ واللہ اعلم!

اگر چاندی کے ساتھ روپے (کرنسی) یا سامانِ تجارت وغیرہ بھی ہو تو پھر بھی یہ اختلاف تو ہے کہ ان تینوں چیزوں کو اکٹھا کیا جائے یا نہیں، البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سامانِ تجارت کی قیمت اور دیگر نقدی کو سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دی جائے بشرطیکہ نقدی ملانے سے مجموعی رقم حدنصاب کو پہنچ جائے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: بدایۃ المجتہد: ۳/۸۵ تا ۸۷، المغنی: ۴/۲۰۹ تا ۲۱۱، حاشیہ ابن عابدین: ۲/۳۴ اور حاشیہ الدسوقی: ۱/۴۵۵

موجودہ کرنسی اور نصابِ زکوٰۃ

اب ایک عرصہ سے سونے، چاندی کے سکوں کی جگہ پیپر کرنسی نے لے رکھی ہے، اس لئے اب اسی نقدی پر زکوٰۃ ہوگی اور اس میں کوئی مؤثر اختلاف نہیں تاہم اس بات پر اختلاف ضرور ہے کہ موجودہ کرنسی کا نصاب سونے کے نصاب سے متعین کیا جائے یا چاندی کے نصاب سے؟ بعض فقہا کا خیال ہے کہ نصابِ زکوٰۃ کا تعین سونے سے کیا جائے گا اور اس کی وہ مختلف وجوہات بیان کرتے ہیں جیسا کہ یوسف قرضاوی رقم طراز ہیں:

''جبکہ بعض دیگر علما کی رائے یہ ہے کہ آج کل نصابِ زکوٰۃ کا اندازہ سونے سے ہونا چاہئے اس لئے کہ چاندی کی قیمت میں عہدِ نبوت کے بعد سے بہت زیادہ فرق آچکا ہے۔ کیونکہ تمام اشیا کی طرح چاندی کی بھی قیمت بڑھتی رہی ہے جب کہ سونے کی قیمت کافی حد تک مستحکم رہی ہے اور زمانے کے اختلاف سے سونے کے سکوں کی قیمت میں فرق نہیں آیا اور سونا ہر زمانے میں ایک ہی اندازے کا حامل رہا ہے۔ یہ رائے ہمارے اساتذہ ابوزہرہ [عبد الوہاب] خلاف اور [عبدالرحمٰن] حسن نے زکوٰۃ پر اپنی تحقیق کے دوران اختیار کی ہے۔ مجھے بھی یہ قول بلحاظِ دلیل زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے اس لئے اگر مذکورہ اموالِ زکوٰۃ کا موازنہ

www.KitaboSunnat.com

کرکے دیکھا جائے کہ پانچ اونٹوں پر زکوٰۃ ہے، چالیس بکریوں پر زکوٰۃ ہے، پانچ وسق کھجور یا کشمش پر زکوٰۃ ہے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس عہد میں زکوٰۃ کے تمام نصابوں سے قریب سونا ہے، چاندی نہیں ہے۔ پانچ اونٹوں اور چالیس بکریوں کی قیمت تقریباً (کم وبیش) چار سو دینار یا گنی [جُنیہ (پاؤنڈ/ مصری کرنسی) کے مساوی ہوگی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شارع کی نظر میں چار اونٹوں یا اُنتالیس بکریوں کا مالک تو فقیر ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو لیکن جس کے پاس اتنی نقدی (یعنی چاندی کے حساب سے، ناقل) ہو جس سے وہ ایک بکری بھی نہ خرید سکتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو؟ اور کس طرح اس حقیر مالیت کو غنی تصور کیا جاسکتا ہے؟ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

پانچ اوقیہ چاندی کو نصابِ زکوٰۃ اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ مقدار ایک گھرانے کی سال بھر کی ضرورت کے لئے کافی ہے بشرطیکہ اکثر علاقوں میں قیمتیں معتدل ہوں اور اگر آپ قیمتوں میں معتدل علاقوں کا جائزہ لیں تو آپ کو اس حقیقت کا اِدراک ہوجائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب بھی کسی اسلامی ملک میں پچاس یا (اس سے) کم وبیش مصری (کرنسی) اور سعودی ریال یا پاکستانی اور ہندوستانی روپے☆ میں ایک گھرانے کا پورے سال کا گزر ہوسکتا ہے؟ بلکہ کیا ایک ماہ یا ایک ہفتہ کا بھی ہوسکتا ہے؟ بلکہ تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں جہاں کا معیارِ زندگی کافی بلند ہوچکا ہے، یہ رقم ایک متوسط گھرانے کی ایک دن کی ضرورت کے لئے بھی ناکافی ہے، تو اس رقم کا مالک شریعت کی نظر میں کیوں کر غنی متصور ہوسکتا ہے؟ یہ بہت ہی بعید از قیاس بات ہے! اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہم اپنے اس عہد میں نصابِ زکوٰۃ کی پیمائش کے لئے سونے کو اصل قرار دیں۔ اگرچہ چاندی سے نصابِ زکوٰۃ کے تقرر میں فقرا اور مستحقین کا مفاد ہے مگر اس میں مال کے مالکین پر بار بھی پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے دہندگان صرف بڑے بڑے سرمایہ دار اور اغنیا ہی نہیں ہوتے بلکہ اُمتِ مسلمہ کے عام افراد زکوٰۃ دہندگان ہیں''۔ (فقہ الزکوٰۃ: ج ۱ ص ۳۵۲ تا ۳۵۴)

جبکہ دوسری طرف بعض بلکہ اکثر و بیشتر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ نصابِ زکوٰۃ کا تعین چاندی کے حساب سے کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ رقم طراز ہیں کہ

''دورِ نبویؐ میں سونا چاندی دونوں زرِ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے اور ان کی قیمتوں

www.KitaboSunnat.com

میں صرف ایک اور سات کی نسبت☆تھی۔یعنی ساڑھے سات تولے سونا، ساڑھے باون تولے چاندی۔ دوسرے لفظوں میں سونے کا بھاؤ چاندی سے صرف سات گنا ہوتا تھا۔ بعد کے اَدوار میں سونے کی قیمت تو چڑھتی گئی اور چاندی کی قیمت گرتی گئی اور اس کی غالباً دو وجوہ ہیں: اوّلاً تو چاندی کی بجائے صرف سونا ہی زرمبادلہ قرار پایا اور، ثانیاً چاندی کے زیورات آہستہ آہستہ متروک ہوگئے۔ ۱۹۳۰ء کی جنگِ عظیم سے پہلے چاندی اور سونے کی مالیت میں تقریباً ایک اور بیس کی نسبت ہوچکی تھی اور اب تو یہ نسبت اور بھی بہت زیادہ بڑھ چکی ہے اور آئندہ بھی یہ تفاوت بڑھنے کا امکان ہے۔ سونے اور چاندی کا حد نصاب جو شارع علیہ السلام نے مقرر فرما دیا اس میں ردّوبدل کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں خواہ یہ باہمی تفاوت اور بھی زیادہ ہوجائے۔ مگر نقدی کے متعلق ہمیں ضرور کچھ فیصلہ کرنا ہوگا کہ نقدی کا حد نصاب طے کرنے کے لئے چاندی کو بنیاد قرار دیا جائے یا سونے کو؟ اکثر علما کا خیال ہے کہ ہمارے ہاں نوٹوں کے اجرا سے پہلے چونکہ چاندی کا روپیہ رائج تھا لہٰذا چاندی کو بنیاد قرار دے کر چاندی کی موجودہ قیمت کے حساب سے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت نکال لی جائے، یہ حد نصاب ہوگا اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سعودی عرب میں آج کل بھی کاغذی زر (نوٹوں) کو ورقہ کہتے ہیں اور یہی لفظ چاندی کے لئے استعمال ہوتا ہے، نیز چاندی کو ہی نقد روپیہ کے لئے نصاب قرار دینا اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ کہیں اللہ کا حق ہمارے ذمہ نہ رہ جائے لہٰذا اس اہم دینی فریضہ میں ہر ممکن احتیاط لازم ہے۔'' (تجارت اور لین دین کے مسائل: ص ۳۱۸، ۳۱۹)

مذکورہ بالا دونوں نقطہ ہائے نظر میں سے ثانی الذکر ہمیں راجح معلوم ہوتا ہے، اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

① اوّل تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ چاندی کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے، تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

② دوسرا یہ کہ فقراء ومساکین کا فائدہ بھی اسی میں ہے۔

③ تیسرا یہ کہ سونے اور چاندی کی نسبت میں جو بہت زیادہ تفاوت پیدا ہوچکا تھا وہ بھی رفتہ رفتہ کافی حد تک کم ہوچکا ہے اور اب ان دونوں کی نسبت ایک اور تیس کی بجائے ایک اور بارہ کے قریب ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص سونے کو معیار نصاب بناتا ہے تو اس کے

www.KitaboSunnat.com

اس اجتہاد پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔

ہیرے جواہرات وغیرہ پر زکوٰۃ کا مسئلہ: ہیرے جواہرات وغیرہ اگر تجارت کیلئے رکھے ہوں تو پھر بلا اختلاف اموال تجارت کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی لیکن اگر یہ ذاتی استعمال (مثلاً زیب و زینت کے لئے) یا کاروباری آلات کے لئے استعمال ہوں تو پھر بلا نزاع ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں، خواہ یہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

"لا زكوٰة فيما سوى الذهب والفضة من الجواهر كالياقوت والفيروزج، واللؤلؤ والمرجان والزمرد والزبرجد والحديد والصفر وسائر النحاس والزجاج وان حسنت صنعها وكثرت قيمتها ولازكوٰة أيضاً فى المسك والعنبر وبه قال جماهير العلماء من السلف وغيرهم" (المجموع شرح المذهب: ج۵ص۴۶۴)

اسی طرح ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ:

''فالزكوٰة في الحلى من الذهب والفضة دون الجوهر لأنها لا زكوٰة فيها عند أحد من أهل العلم فإن كان الحلى للتجارة قومه بما فيه من الجواهر لأن الجواهر لوكانت مفردة وهي للتجارة لقومت وزكيت'' (المغنی: ج۴ص۲۲۴ نیز دیکھئے الفقه على المذاهب الأربعة: ج ۱ ص ۵۹۵، موسوعة الاجماع: ۱/۴۶۷)

مذکورہ بالا اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ ہر طرح کے قیمتی موتی اور جملہ عطریات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ یہ تجارت کے لئے نہ ہوں اور جمہور ائمہ سلف کا شروع سے یہی موقف رہا ہے۔ باقی رہا جواہرات کو سونے چاندی کے زیورات پر قیاس کرنے کا مسئلہ تو یہ قیاس درست نہیں، اس لئے کہ زیورات میں استعمال ہونے والا سونا چاندی نقدی اور نمو کی حیثیت بھی رکھتا ہے جبکہ ہیرے جواہرات میں یہ خاصیت نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے متقدمین میں سے جو اہل علم

www.KitaboSunnat.com

زیورات پر زکوٰۃ کے قائل رہے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی انہیں زیورات پر قیاس نہیں کیا۔تقریباً یہی رائے ابن حجر کی بھی ہے، دیکھئے فتح الباری: ج ۳ ص ۳۶۳ اور حنفیہ کا بھی یہی موقف ہے، دیکھئے درّ مختار: ج ۲ ص ۲۷۳ اور فتاویٰ ہندیہ: ۱۰۲/۱

❸ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ

زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کو اصطلاحی طور پر 'عشر' کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ زرعی پیداوار میں ہر فصل تیار ہونے کے بعد اس کا عشر (یعنی دسواں حصہ) بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے بشرطیکہ مجموعی پیداوار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو اور زمین کی سیرابی کے لئے مشقت کرکے پانی حاصل نہ کیا گیا ہو یعنی ٹیوب ویل لگانے یا کنویں کھودنے کی بجائے بارش یا نہروں کے ذریعے بغیر مشقت کے پانی حاصل ہوجائے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر از راہِ تخفیف بیسواں حصہ (یعنی نصف العشر) بطورِ زکوٰۃ نکالا جائے گا۔جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر" (بخاری:۱۴۸۳)

''جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہوتی ہے یا پھر وہ بارانی ہو اس میں عشر ہے اور جو زمین رہٹ وغیرہ کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس میں نصف العشر ہے۔''

زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار اگر پانچ وسق سے کم ہو تو پھر اس میں کسی قسم کی زکوٰۃ (عشر) فرض نہیں جیسا کہ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لیس فیما أقل من خمسة أوسق صدقة" (بخاری:۱۴۸۴)

''پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔''

اور واضح رہے کہ پانچ وسق کا مجموعی وزن تقریباً ۱۸ من یا دوسرے لفظوں میں ۷۲۰ کلوگرام بنتا ہے جبکہ بعض علما نے ۱۵ من بعض نے ۲۰ من اور بعض نے ۲۵ من کا اندازہ بھی نکالا ہے۔واللہ اعلم!

www.KitaboSunnat.com

کون کون سی اجناس پر عشر ہوگا؟

اس سلسلہ میں چار اجناس تو وہ ہیں جن پر وجوبِ عشر کے حوالے سے اجماع ہو چکا ہے اور وہ یہ ہیں: ① گندم، ② جو، ③ کھجور اور ④ کشمش (دیکھئے: الاجماع لابن منذر: ص۴۳، موسوعۃ الاجماع: ۴۶۶/۱)

جبکہ اس کے علاوہ دیگر اجناس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض تابعین اور امام احمد، موسیٰ بن طلحہ، حسن، ابن سیرین، شعبی، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ، ابن المبارک اور ابوعبید رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے کہ صرف ان چار چیزوں پر زکوٰۃ ہے۔ (المحلّٰی: ج۵/ص۲۰۹) اور یہ اصحاب اپنی تائید میں وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں صرف انہی چار اجناس کی زکوٰۃ کا ذکر ہے مگر ان کی اسناد ضعف سے خالی نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (فقہ الزکوٰۃ: ج۱/ص۴۶۴، ۴۶۵) جبکہ دیگر اہل علم ان تمام روایات کو ضعیف قرار دیتے ہوئے دیگر زرعی اجناس پر بھی وجوبِ عشر کے قائل ہیں اور اپنی تائید میں قرآن و حدیث کے دیگر عمومی دلائل پیش کرتے ہیں مثلاً

(i) ﴿وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام: ۱۴۱)

''کٹائی کے دن ان (زرعی اجناس) کا حق ادا کرو۔''

(ii) ﴿وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ: ۲۶۷)

''اور ان چیزوں میں سے (زکوٰۃ نکالو) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔''

اس کے علاوہ اس گروہ کے پاس اور بھی کئی عمومی دلائل موجود ہیں، تاہم آگے چل کر ان میں بھی اختلافِ رائے موجود ہے۔ مثلاً

''امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس اراضی پیداوار پر جس سے افزائش زمین مقصود ہو اور جس سے لوگ بالعموم فائدہ حاصل کرتے ہوں، زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ ان کے نزدیک لکڑی، گھاس پھونس، اور ایرانی بانس مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ ان اشیا کی لوگ بالعموم پیداوار نہیں کرتے بلکہ اس سے زمین کو صاف کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص (حصولِ منفعت کے لئے) لکڑی والے درخت یا بانس یا گھاس ہی زمین میں اُگا لے تو اس پر عشر عائد ہو جائے گا.....

www.KitaboSunnat.com

امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے ان اشیا کے بارے میں جن کا پھل باقی نہ رہے (جیسے سبزیاں اور ترکاریاں اور کھیرے ککڑی وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے مختلف ہے اور ان اشیا میں (بھی) ان کے نزدیک زکوٰۃ ہے۔'' (فقہ الزکوٰۃ: ج۱ص۴۷۰ تا ۴۷۱)

داود ظاہری وغیرہ کا نکتہ نظر بھی یہی ہے کہ

''ہر اراضی پیداوار پر زکوٰۃ ہے اور اس میں کوئی استثنیٰ نہیں اور یہی ابراہیم نخعی کا بھی ایک قول ہے اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، مجاہدؒ، حماد بن ابی سلمانؒ سے مروی ہے۔'' (ایضاً)

امام احمد بن حنبلؒ سے اس سلسلہ میں کئی طرح کے اقوال مروی ہیں تاہم ابن قدامہ نے المغنی میں ان کا جو مشہور قول بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ

"وكل ما أخرج الله عزوجل من الأرض مما ....." (المغنی: ج۴ص۱۵۵)

ان تمام اشیا پر زکوٰۃ (عشر) ہے جن میں یہ تین وصف ہوں: ① خشک ہونے کی خاصیت ہو ② محفوظ کی جاسکتی ہوں ③ اور تولی جاسکتی ہوں۔''

شوافع کا نکتہ نظر یہ ہے کہ (دیکھئے شرح المنہاج: ج۲ص۱۶)

ہر وہ زرعی جنس جو غذا اور ذخیرہ بن سکتی ہے اس پر عشر ہوگا اور جن میں یہ شرائط نہ ہوں، ان پر عشر نہیں۔ مثلاً بادام، اخروٹ، پستہ، سیب، انار، امرود وغیرہ پر ان کے نزدیک عشر نہیں

مالکیوں کی بھی یہی رائے ہے تاہم انہوں نے صرف ۲۰ متعین چیزوں پر عشر واجب قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الشرح الکبیر مع حاشیہ الدسوقی: ج۱ص۴۴۷)

مذکورہ بالا اختلاف میں داود ظاہری کا نکتہ نظر ہمیں اَقرب الی السنۃ معلوم ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ متاخر علمائے اہلحدیث کی بڑی تعداد بھی اسی کی قائل ہے اور علامہ یوسف قرضاوی نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ باقی رہی ترمذی کی وہ حدیث جس میں ہے کہ 'سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں' تو اسے خود امام ترمذی نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

❹ اَموالِ تجارت پر زکوٰۃ

ابن منذر فرماتے ہیں کہ

"وأجمعوا على أن في العروض التي تدار للتجارة الزكوٰة إذا حال

www.KitaboSunnat.com

علیها الحول" (الاجماع: ص۴۵) ''اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ جو مال تجارت کے لئے (رأس المال) ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ اس پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔''

مذکورہ بالا اجماع جن نصوص کی بنیاد پر ہوا ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(i) ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَاكَسَبْتُمْ﴾ (البقرۃ:۲۶۷)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ مال تم نے کمائے ہیں، ان سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔''

(ii) حضرت سمرہؓ سے مروی ہے کہ

"كان النبیﷺ یأمرنا أن نخرج الصدقة من الذی نعدّ للبیع" (ابوداود:۱۵۶۲)

''نبی اکرم ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم ان تمام چیزوں سے زکوٰۃ ادا کریں جو بغرضِ تجارت ہمارے پاس موجود ہوں۔''

(iii) حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اونٹوں پر زکوٰۃ ہے، بکریوں پر زکوٰۃ ہے، گائیوں پر زکوٰۃ ہے اور تجارت کے کپڑے پر زکوٰۃ ہے۔'' (المحلی: ج۵/ص۲۲۴)

اگرچہ مذکورہ بالا روایتوں کی سندوں پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے، تاہم اجماعِ اُمت اور عمل صحابہؓ سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ سامانِ تجارت پر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (دیکھئے کتاب الاموال لابی عبید: ص۴۲۵ اور السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/۱۴۷، فقہ الزکوٰۃ: ایضاً، الاجماع ص۴۵)

آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ نہیں ہے!

سامانِ تجارت اور آلاتِ تجارت میں واضح فرق ہے۔ جو چیزیں تجارت کیلئے (For Sale) ہوں، ان پر ہر سال چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ نکالا جائے گا۔ اہل ظواہر، امام شوکانی، اور نواب صدیق حسن خاں کو چھوڑ کر باقی اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے اور اسی طرح اُمت کا اس بات پر بھی اجماع رہا ہے کہ آلاتِ تجارت خواہ وہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں، ان پر زکوٰۃ نہیں تاہم ان سے حاصل ہونے والی آمدنی پر اگر ایک سال کا عرصہ گزر جائے اور وہ نصاب کے برابر ہو تو پھر اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ (دیکھئے: الفقه علی المذاهب الأربعة: ج۱/ص۵۹۵) اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

www.KitaboSunnat.com

(i) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لیس علی العوامل شیئ" (ابوداود:۱۵۷۲) ''پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔''

(ii) حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لیس فی الإبل العوامل صدقة" (السنن الکبریٰ للبیہقی:۴/۱۱۶)

''کام کرنے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے''

(iii) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے مروی ایک روایت میں اونٹوں کے ساتھ بیل، گائیوں کا بھی اس طرح ذکر ہے کہ

''اور بیل گائیاں کام کرنیوالے ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔'' (ایضاً)

(iv) اسی طرح حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ اور بعض دیگر صحابہ اور تابعین و تبع تابعین سے مروی ہے کہ ''ہل چلانے والے جانور (بیل، گائے وغیرہ) پر زکوٰۃ نہیں۔'' (ایضاً)

(v) مذکورہ بالا احادیث وآثار کی بنیاد پر جمہور فقہاء ومحدثین کا متفقہ طور پر یہ موقف رہا ہے کہ پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں اور اگر کسی نے شذوذ وتفرد کی راہ اختیار کرتے ہوئے پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر بھی زکوٰۃ عائد کرنے کی کوشش کی تو دیگر فقہاء ومحدثین نے اس کی تردید کی۔ مثلاً امام خطابی ابوداود کی روایت (نمبر۱) ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ "وقوله لیس فی العوامل شیئ بیان فساد قول من أوجب فیها الصدقة وقد ذکرنا فیما مضیٰ" (معالم السنن:ج۲ص۳۰)

''حدیثِ نبوی کے یہ الفاظ کہ ''پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔'' ہر اس شخص کے موقف کی خوب تردید کرتے ہیں جو ان جانوروں پر بھی زکوٰۃ فرض قرار دیتے ہیں۔ اور یہ مؤقف کن کا ہے، اس کی وضاحت ہم پیچھے کر آئے ہیں۔''

واضح رہے کہ احادیث میں آلاتِ پیداوار کی جگہ اونٹوں اور گائیوں کا ذکر آیا ہے اس لئے کہ اس دور میں یہی جانور آلاتِ پیداوار کی حیثیت رکھتے تھے، تاہم دورِ حاضر میں ان کی جگہ تمام جدید آلات بھی ذرائع پیداوار کی حیثیت رکھنے کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ لیس فی الإبل العوامل صدقة کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ

''اس ارشاد میں اگرچہ اونٹ کا نام آیا ہے تاہم یہ ایک عام اصول ہے مثلاً دکان کا باردانہ یا

www.KitaboSunnat.com

فرنیچر زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح فیکٹریوں میں نصب شدہ مشینیں جو پیداوار کا ذریعہ بنتی ہیں خود بکاؤ مال نہیں ہوتیں، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گی۔'' (تجارت اور لین دین کے مسائل: ص ۲۹۳)

اسی طرح ہر وہ چیز آلاتِ تجارت اور ذرائع پیداوار متصور ہوگی جو کرائے کے لئے دی جاتی ہو۔ مثلاً کرائے کا مکان، دکان، فرنیچر، گاڑیاں، بسیں اور دیگر سامان وغیرہ۔ یہ چیزیں بھی چونکہ کمائی کا ذریعہ (آلاتِ تجارت/ذرائع پیداوار) ہیں، اس لئے ان سے حاصل ہونے والی آمدنی اگر نصاب کے بقدر ہو اور اس پر ایک سال کا عرصہ بھی گذر چکا ہو تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، ورنہ نہیں۔ (دیکھئے المغنی: ج ۳ ص ۴۷) خواہ بذاتِ خود یہ چیزیں کتنی ہی قیمتی اور مہنگی کیوں نہ ہوں۔ جمہور فقہاءِ اُمت کا گذشتہ چودہ صدیوں سے یہی موقف رہا ہے مگر ماضی قریب میں علامہ یوسف قرضاوی اور ان کے تین استادوں (ابوزہرہ، عبدالرحمٰن حسن اور عبدالوہاب خلاف) نے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہوئے ایک نئی رائے پیش کی اور وہ یہ ہے کہ صرف ایسے آلاتِ تجارت، زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں:

''جو آلات آج بھی دست کار کے ذاتی استعمال کے ہوں اور وہ ان کو خود استعمال کرتا ہو مثلاً حجام کے آلاتِ حجامت وغیرہ اور وہ آلاتِ صنعت جو حصولِ منفعت میں رأس المال کی حیثیت رکھتے ہیں اور مالک کو نفع پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہوں جیسے کارخانے کا مالک جو اس کارخانے کو چلانے کے لئے مزدوروں کو اُجرت پر لگاتا ہو تو اس کے یہ صنعتی آلات (مشینیں) اس کا رأس المال اور مالِ نامی متصور ہوں گے کیونکہ اسے ان مشینوں سے جو منفعت حاصل ہو رہی ہے، اس کے لحاظ سے یہ مشینیں آہن گر یا بڑھئی کے ان اوزاروں کے مشابہ نہ ہوں گی جن سے وہ ہاتھ سے کام لیتا ہے۔ اس لئے ان آلاتِ صنعت اور مشینوں کے مالِ نامی ہونے کے باعث ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی اور ان کا شمار ذاتی استعمال کی اشیا میں نہیں ہوگا۔''
(فقہ الزکوٰۃ: ج ۲/ص ۶۱۰، ۶۱۱)

مذکورہ اقتباس میں موصوف نے دو باتیں ذکر کی ہیں: ''ایک تو یہ کہ جدید صنعتی آلات مالِ نامی ہیں اور مالِ نامی پر زکوٰۃ فرض ہے''۔ حالانکہ ہر مالِ نامی موجب زکوٰۃ نہیں ہوتا اور خود موصوف نے بھی اس پر بحث کی ہے کہ ''ہر مالِ نامی محل زکوٰۃ نہیں۔'' اس کی مزید تفصیل پچھلے

www.KitaboSunnat.com

صفحات میں 'ذاتی استعمال کی اشیا پر زکوٰۃ' کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

موصوف نے دوسرا نکتہ یہ اٹھایا ہے کہ قدیم دور کے آلاتِ صنعت کو جدید آلاتِ صنعت کا محل قیاس نہیں بنایا جاسکتا اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ قدیم آلاتِ صنعت براہِ راست استعمال ہوتے تھے جبکہ جدید آلاتِ صنعت اکثر و بیشتر بالواسطہ استعمال ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں مماثلت نہیں۔ حالانکہ یہ اعتراض سرے سے غلط ہے اس لئے کہ اوّل تو قدیم آلاتِ تجارت دونوں طرح ہی استعمال ہوتے تھے۔ بلاواسطہ میں تو انہیں بھی شک نہیں جبکہ غلاموں کے ذریعے اور کرائے اور ٹھیکے کے ذریعے ہونے والے سبھی کام بالواسطہ ہی کی مثالیں ہیں۔ اور دورِ حاضر میں کرائے پر استعمال ہونے والے تجارتی کمپلیکس، بسیں، گاڑیاں اور جہاز وغیرہ کو قدیم دور میں کرائے پر چڑھنے والے مکانوں، باغوں وغیرہ پر قیاس کرنا بالکل صحیح ہے۔ اسی طرح وہ جدید آلاتِ صنعت جنہیں بالواسطہ استعمال کیا جاتا ہے، انہیں قدیم دور کے ان آلات پر قیاس کرنا صحیح ہے جن کے ذریعے مالکوں کے غلام کام کیا کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے جب عوامل (یعنی ذرائع پیداوار اور آلاتِ تجارت) کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے بالواسطہ اور بلاواسطہ کی کوئی تفریق نہیں کی تو پھر ہمیں اس تفریق کی آخر کیا ضرورت؟ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یوسف قرضاوی نے ہمارے موقف کے حامل متقدم فقہا کے دلائل ذکر کرتے ہوئے ان صریح احادیث کو پیش نہیں کیا جن میں ذرائع پیداوار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ کچھ یہی صرفِ نظر پروفیسر احمد اقبال قاسمی صاحب نے اپنے مضمون 'زکوٰۃ کا نفاذ، چند قابل غور پہلو' (شائع شدہ ترجمان القرآن، اگست ۲۰۰۳ء) میں کیا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے سامانِ تجارت اور آلاتِ تجارت کو ایک ہی زاویہ سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور آخر میں یہ الفاظ رقم کردیے ہیں کہ

''احقر بھی حضرت مولانا محمد طاسین مرحوم اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور ڈاکٹر ابوزہرہ، پروفیسر عبدالوہاب خلاف کے نظریات کی پوری طرح تائید کرتا ہے۔''

(ماہنامہ 'ترجمان القرآن' اگست ۲۰۰۳ء: ص ۵۳)

حالانکہ یہ اصحاب اگرچہ آلاتِ تجارت کی بعض صورتوں پر وجوبِ زکوٰۃ کے قائل ہیں

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ آلاتِ تجارت اور سامانِ تجارت میں فرق ضرور کرتے ہیں۔اس لئے مضمون نگار کو چاہئے تھا کہ وہ ان اصحاب کے نکتہ نظر کا بغور مطالعہ کرکے کوئی رائے دیتے۔لیکن انہوں نے مذکورہ مضمون میں چونکہ ایک دو ثانوی مصادر سے سرسری استفادہ کے بعد اخذ وترتیب سے کام لیا ہے،اس لئے نہ صرف یہ کہ پورا مضمون ہی خلطِ مبحث کا شکار دکھائی دیتا ہے بلکہ اس میں یہ بلند بانگ دعویٰ بھی ہے کہ:''ان حضرات (یعنی آلاتِ تجارت پر عدمِ وجوب کے قائل.....ناقل) کے پاس قرآن وسنت کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔اس کا سارا انحصار فقہا کی درج ذیل عبارت پر ہے جو حاجاتِ اصلیہ پر زکوٰۃ نہ ہونے سے متعلق ہے.....''(ایضاً ص۵۲)

حالانکہ مضمون نگار اگر بنیادی مصادر ومراجع کی طرف رجوع کر لیتے تو یقیناً اتنا بڑا دعویٰ نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے آلاتِ تجارت پر عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کی تائید حاصل ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں چار احادیث وآثار تو ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔باقی رہی قرآنی دلیل تو وہ بھی پیش خدمت ہے:

﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ (الکہف:۷۹)

''کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔''

اس آیت میں یہ بات موجود ہے کہ دریائی کشتی جو یقیناً ایک قیمتی چیز تھی، کے مالک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسکین قرار دیا ہے اور مسکین بذاتِ خود مستحق زکوٰۃ ہوتا ہے۔ گویا کشتی جو ان لوگوں کے لئے آلہ تجارت تھی،اس پر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی کوئی بات نہیں کی لہٰذا اسی طرح ہر آلہ تجارت زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پائے گا خواہ وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔واضح رہے کہ دریا اور سمندر میں کام کرنے کے قابل درمیانے درجہ کی کشتی بھی انتہائی قیمتی ہوتی ہے اور خود ہمارے ایک دوست نے ایسی ہی معمولی کشتی ۱۵ لاکھ میں خریدی حالانکہ وہ تھی بھی استعمال شدہ۔

مجلّہ 'ترجمان القرآن' کی مناسبت سے یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بانیٔ ترجمان سید مودودیؒ کی رائے بھی اس مسئلہ میں وہی تھی جو جمہور فقہائے امت کی گذشتہ چودہ صدیوں سے چلی آرہی ہے۔چنانچہ سید مودودیؒ نے بعض لوگوں کے اعتراضات کے باوجود یہی رائے دی کہ

''کرایہ پر دی جانے والی اشیا کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ مختصر تھا، اس لیے بات

www.KitaboSunnat.com

واضح نہ ہوسکی۔ میرا مدعا یہ ہے کہ جو لوگ فرنیچر یا موٹریں یا ایسی ہی دوسری چیزیں کرائے پر چلانے کا کاروبار کرتے ہیں، ان کے کاروبار کی مالیت اس منافع کے لحاظ سے متشخص کرنی چاہیے جو اس کاروبار میں ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس فرنیچر یا ان موٹروں کی قیمت پر زکوٰۃ محسوب کی جائے جسے وہ کرائے پر چلاتے ہیں۔ کیونکہ یہ تو وہ آلات ہیں جن سے وہ کام کرتے ہیں اور آلات کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کاروبار جو منافع دے رہا ہو اس کی بنا پر یہ رائے قائم کی جائے گی کہ اس قدر منافع دینے والے کاروبار کی مالیت کیا قرار پانی چاہیے۔ رہے کرایہ کے مکانات تو ان کے بارے میں مجھے بھی اس بنا پر تامل ہے کہ سلف سے ان پر زکوٰۃ لگائے جانے کا ثبوت نہیں ملتا۔''

'الإبل العوامل' (کام کرنے والے اونٹوں) پر زکوٰۃ نہ لگنے کی وجہ وہی ہے جو میں نے پہلے بیان کی ہے کہ ایک آدمی جن آلات یا حیوانات کے ذریعے سے کام کرتا ہو، ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ مثلاً ہل چلانے والے بیل یا بار برداری کے جانور، ان پر زکوٰۃ مواشی عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح ڈیری فارم کے جانوروں پر زکوٰۃ مویشی عائد نہ ہوگی، ان کی زکوٰۃ تو اس پیداوار پر زکوٰۃ لگنے کی صورت میں وصول ہوجاتی ہے جو ان کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو۔ کرایہ پر چلانے جانے والے اونٹوں پر بھی عوامل کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے ان پر بھی زکوٰۃ مویشی عائد نہ ہونی چاہئے اور نہ ان کی مالیت پر زکوٰۃ لگنی چاہئے۔ بلکہ اس کرایہ کے کاروبار کی جو Good Will متشخص ہو، اس پر زکوٰۃ لگنی چاہئے۔''

(ترجمان القرآن: فروری ۱۹۶۲ء اور رسائل ومسائل حصہ سوم: ص ۳۳۰)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کرائے پر چلنے والے بڑے بڑے کمپلیکس، بسیں، جہاز اور قیمتی مشینری وغیرہ کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو پھر بہت سے لوگ زکوٰۃ سے بری ہوجائیں گے اور غربا کی حق تلفی ہوگی۔ حالانکہ یہ محض مفروضہ ہے اس لئے کہ جس شخص کے آلاتِ تجارت کروڑوں کی مالیت کے ہوں، اس کی آمدن بھی لاکھوں سے کم نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی آمدن پر جب ہزاروں، لاکھوں روپیہ بطورِ زکوٰۃ نکل رہا ہے تو پھر اسے کسی ایسی تنگی میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت جو شریعت نے پیدا نہیں کی۔ بلکہ ایسے اصحابِ ثروت اگر آمدن ہی کی زکوٰۃ نیت وخلوص سے ادا کرتے رہیں تو معاشی ومعاشرتی سطح پر بہت بڑی مثبت تبدیلی رونما ہوجائے گی۔☆ ان شاء اللہ!

www.KitaboSunnat.com